بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رُودادِ اجتماع کراچی

منعقدہ ۱۰-۱۳ نومبر ۱۹۵۱ء

جماعت اسلامی پاکستان کا دوسرا کُل پاکستان اجتماع عام مرکزی مجلسِ شوریٰ کے فیصلہ کے مطابق ۱۰ تا ۱۳ نومبر ۱۹۵۱ء بروز ہفتہ، اتوار، پیر، منگل کلکری گراؤنڈ، کراچی میں منعقد ہُوا چونکہ انہی دنوں صوبۂ سرحد میں انتخاباتِ عام کی جدوجہد ہو رہی تھی، اس لیے حلقۂ سرحد کے ارکانِ جماعت کو اس اجتماع میں شرکت سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔ نیز مشرقی پاکستان کے ارکانِ جماعت کو شرکت کی پابندی سے اس بنا پر مستثنیٰ کر دینا پڑا تھا کہ وہاں سے آمد و رفت کے مصارف اتنے زیادہ ہیں کہ ہر شخص ان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ البتہ وہاں سے صرف حلقۂ مشرقی پاکستان کے قیّم، مولانا عبدالرحیم صاحب تشریف لے آئے۔ ان دونوں علاقوں کو چھوڑ کر کراچی کے باہر سے تقریباً ایک ہزار کی تعداد میں ارکان اور متفقین اس اجتماع میں شریک ہوئے۔ ان سب کے قیام اور طعام کا انتظام جماعت کے زیرِ اہتمام اجتماع گاہ ہی میں کیا گیا تھا۔ اور اجتماع کے پورے ایام میں امیرِ جماعت سمیت تمام ارکان اور متفقین کا قیام مسلسل اجتماع کی خیام گاہ میں رہا۔

اجتماع کی کارروائی پروگرام کے مطابق ۱۰ نومبر مطابق ۹ صفر ۱۳۷۱ھ بروز ہفتہ بعد نماز مغرب ٹھیک چھ بجے مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیرِ جماعت اسلامی پاکستان کی افتتاحی تقریر سے شروع ہوئی۔ چار دن میں کھلے اور خاص کل سات اجلاس منعقد ہوئے اور یہ اجتماع ۱۳ نومبر بروز منگل امیرِ جماعت کی طرف سے وداعی ہدایات پر ساڑھے آٹھ بجے رات بخیرو

خوبی ختم ہؤا۔ اجتماع کے عام اجلاسوں میں حاضری کم وبیش پندرہ ۱۵ سے پینتیس ۳۵ ہزار تک رہی۔ اور خاص جماعتی کارروائیوں سے متعلق اجلاسوں میں تین چار سے چھ سات ہزار تک۔ خواتین کی تعداد کا اندازہ آٹھ نو سو سے لے کر ڈیڑھ پونے دو ہزار تک ہے۔ اجتماع گاہ اور اس کے محل وقوع کے لحاظ سے تو یہ حاضری غیر متوقع حد تک زیادہ تھی، لیکن شہر کراچی کے لحاظ سے یہ اس لیے کم ہے کہ

(۱) لکری گراونڈ جہاں کراچی میں جماعت کو اجتماع منعقد کرنے کی اجازت ملی تھی، ایک بالکل ہی غیر معروف جگہ ہے، جس میں بجز جماعت اسلامی کے کبھی بھی کوئی قابل ذکر اجتماع نہیں ہؤا۔ کراچی کے پرانے باشندوں، یا گراونڈ کے آس پاس رہنے والوں کے سوا بہت کم لوگ اس کے نام اور محلِ وقوع سے واقف ہیں۔

(۲) یہ گراؤنڈ شہر کی تعلیم یافتہ اور ذی شعور آبادی سے بہت کافی فاصلے پر واقع ہے۔ کوئی قابلِ ذکر ٹرک بھی آس پاس سے نہیں گذرتی۔ یہاں تک کہ قریب ترین "بس روٹ" گلی در گلی راستوں سے بھی آدھ میل سے کم فاصلہ پر نہیں۔

(۳) حکومت نے جماعت اور اس کی تحریک سے ادنیٰ سی دلچسپی کا اظہار کرنے والے ملازمین کے خلاف بھی انگریزی دور کے ضوابطِ ملازمت کے تحت جو انضباطی کارروائیاں کی ہیں، انہوں نے حکومت سے خفیف سا تعلق رکھنے والے لوگوں کو بھی متوحش کر رکھا ہے۔

اجتماع کے مختلف اجلاسوں میں جو کارروائی ہوئی وہ درج ذیل ہے:

پہلا اجلاس | یہ اجلاس ۱۰ر نومبر بروز ہفتہ بعد نماز مغرب ۶ سے پونے دس بجے تک ہؤا۔ اجلاس کا آغاز امیر جماعت اسلامی پاکستان مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی افتتاحی تقریر سے ہؤا۔ اس تقریر میں مولانا نے موجودہ اہم بین الاقوامی اور ملک کے خارجی اور داخلی مسائل پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے متعلق جماعت اسلامی کے نقطۂ نظر اور جماعت کی پالیسی کو واضح کیا۔ اس کے بعد طفیل محمد قیم جماعت اسلامی پاکستان نے یکم مئی ۱۹۴۹ء سے ۳۱ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تک کے جماعتی کام کی رپورٹ پیش کی۔ اور تفصیل کے ساتھ بتایا کہ اس دوران میں جماعت کن کن

مراحل میں سے کس کس طرح سے گذری ہے، اس کے مختلف شعبوں نے کیا کام کیا ہے اور اس وقت جماعت کس حال میں اور کس مقام پر ہے۔

دوسرا اجلاس | اجتماع کا دوسرا اجلاس ۱۱ر نومبر بروز اتوار نو بجے صبح شروع ہوا۔ اس میں سب سے پہلے جناب ممتاز حسین صاحب رکن جماعت اسلامی شہر کراچی نے مولانا مسعود عالم صاحب ندوی معتمد دار العروبہ کا مقالہ "برصغیر ہند و پاکستان میں اسلامی تحریک کی تاریخ" پڑھ کر سنایا۔ اس مختصر مقالہ میں مولانا نے ہندوستان میں اسلامی تحریک کی تاریخ کو اس خوبی کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ برصغیر ہند و پاکستان میں "اسلام" کی صدیوں کی تاریخ آدمی ایک نظر میں دیکھ لے سکتا ہے۔

اس کے بعد جناب فضل الرحمٰن نعیم صدیقی صاحب مدیر چراغِ راہ کراچی نے "اسلامی تحریک اور دوسری تحریکوں کے فرق" پر تقریر کی اور اس میں بتایا کہ دنیا میں اس وقت جو بڑی بڑی تحریکیں چل رہی ہیں، اُن میں اور اسلامی تحریک میں اصُول، فلسفہ اور نتائج کے لحاظ سے کیا فرق ہے۔

نعیم صاحب کی تقریر کے بعد پروگرام کے لحاظ سے مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کی تقریر ہونی چاہیے تھی لیکن وقت کم ہونے کی وجہ سے یہ تقریر بعد کے اجلاس کے لیے مؤخر کر دی گئی اور اس کے بجائے سید نقی علی صاحب ناظم مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی نے مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کا دوسرا مقالہ "دنیائے اسلام کی موجودہ اسلامی تحریکیں" پڑھ کر سنایا۔ جس میں مولانا نے بتایا ہے کہ اس وقت مختلف مسلم ممالک میں اِحیائے اسلام کی جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ کس نوعیت کی ہیں، اور ان سے پیشِ نظر مقصد کے حصول کی امیدیں کس حد تک وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

تیسرا اجلاس | اجتماع کا تیسرا اجلاس ۱۱ر نومبر بروز اتوار ۶ بجے شام بعد نماز مغرب شروع ہوا۔ سب سے پہلے مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے "ہم اس ملک میں کیا تغیرات چاہتے ہیں، ہم کو

موضوع پر تقریر فرمائی جس میں اس امر کی وضاحت کرنے کے بعد کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم اسی ایک مضمون کا اعادہ بار بار کرتے رہتے ہیں اور اب پھر اس اجتماع میں اسے پبلک کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں، یہ بتایا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اس ملک کے دستور، قوانین، نظم و نسق، نظامِ تعلیم و تربیت، معاشرت اور معیشت وغیرہ میں کیا کیا تغیرات ضروری ہیں۔ اس کے بعد امیر جماعت کی "اختتامی تقریر" ہوئی۔ اس تقریر میں انہوں نے پاکستان کی موجودہ خرابیوں کے تاریخی اسباب پر مفصل تبصرہ کیا اور پھر جماعت کے اصلاحی و تعمیری لائحۂ عمل کی تشریح کی۔ آخر میں امیر جماعت نے ان سوالات کے جوابات بھی دیے جو حاضرین کی طرف سے آئے تھے۔ اور یہ اجلاس دس بج کر بیس منٹ پر ختم ہوا۔[1]

چوتھا اجلاس | چوتھا اجلاس ۱۲ نومبر بروز پیر صبح آٹھ بجے شروع ہوا۔ اس اجلاس میں وہ تجاویز پیش ہوئیں جو مختلف جماعتوں اور ارکان کی طرف سے آئی تھیں۔ ان میں سے جو بروقت مرکز پہنچ گئی تھیں اُن کو تو مجلسِ شوریٰ نے مرتب کر کے اجتماع میں پیش کرنے کے لیے مختلف ارکان شوریٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ اور جو بعد میں وصول ہوئی تھیں وہ ان کے مجوزین ہی کے سپرد کر دی گئیں کہ وہی ان کو پیش کر دیں۔

اجلاس کے آغاز میں امیر جماعت نے اس اجلاس کی کارروائی کے لیے حسب ذیل ضابطہ کا اعلان کیا:

(۱) پہلے مجوز اپنی تجویز کو پیش کرے گا اور اگر ضرورت ہوگی تو اس کی وضاحت و تائید کے لیے تقریر کرے گا۔

(۲) اس کے بعد جو ارکانِ جماعت تجویز کے موافق یا مخالف کچھ کہنا چاہیں وہ صدرِ اجتماع (امیرِ جماعت) کی اجازت سے اپنی رائے کو پیش کریں۔ لیکن مجوز کے سوا کوئی شخص بھی پانچ منٹ سے زیادہ لینے کی کوشش نہ کرے

(۳) بلاضرورت اور بلانہایت بحث جاری رکھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ بحث کے دوران میں امیر جماعت اس بات کا اندازہ کرتا رہے گا کہ آیا دونوں طرف کا نقطۂ نظر واضح ہو گیا

---

[1] واضح رہے کہ یہ تمام تقریریں اور مقالات اس روداد کے ساتھ علیحدہ درج کیے جا رہے ہیں۔

ہے یا نہیں۔ جہاں وہ یہ محسوس کرے گا کہ بحث بلا ضرورت طویل ہو رہی ہے تو وہ اسے بند کر دیگا۔

(۴) اگر کسی تجویز پر رائے شماری کی ضرورت پیش آئی تو یہ کام امراء حلقہ کے سپرد کیا جائیگا کہ وہ اپنے اپنے حلقوں کے ارکان کی آراء شمار کر کے بتائیں کہ ان کے حلقے کی کتنی آراء موافق ہیں اور کتنی مخالف۔ خواتین ارکان کی آراء کی اطلاع قیمہ حلقہ خواتین بھیجیں گی۔

اس کے بعد تجاویز پر کارروائی شروع ہوئی جو درج ذیل ہے:۔

تجویز ۱ بسلسلہ ترتیب دستور جماعت اسلامی پاکستان

یہ تجویز دراصل مجلس شوریٰ کی مرتب کی ہوئی تھی جسے مولانا امین احسن صاحب نے پیش کیا۔ ان کی تقریر کا مفاد یہ تھا کہ مرکزی مجلس شوریٰ نے دستور جماعت کی ترتیب کے لیے اس سے پہلے جو یہ صورت تجویز کی تھی کہ دستوری سب کمیٹی مسودہ مرتب کر کے ارکان جماعت کے پاس بھیج دے اور پھر ارکان کی طرف سے آئی ہوئی ترمیمات پر اجتماع عام میں بحث کر کے دستور کو پاس کر دیا جائے، اب وہ اس لیے ناممکن العمل ہوگئی ہے کہ مسودہ دستور پر ارکان جماعت کی طرف سے اتنی زیادہ ترمیمات[1] آئی ہیں کہ ان کو اس اجلاس میں صرف پڑھ کر سنانے کے لیے کم از کم دو دن درکار ہوں گے۔ ترمیمات کے دو بھرے ہوئے رجسٹروں کو دیکھ کر آپ باسانی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان پر یہاں اس چار سو ارکان کے ایوان میں بحث اور فیصلہ کرنے کے لیے کتنے ہفتے چاہئیں۔ اس بنا پر مجلس شوریٰ نے یہ تجویز کیا کہ دستور کے مسئلہ کو اس اجلاس عام کے سامنے پیش کرنے کے بجائے اس کی ترتیب کے لیے یہ صورت اختیار کی جائے:

(۱) ارکان جماعت بیس ارکان پر ایک نمائندہ کے حساب سے اپنے اندر سے ایک مجلس ترتیب دستور منتخب کر دیں اور

(۲) اس مجلس کو یہ اختیار دے دیں کہ وہ ان سب ترمیمات کو اور ان مزید ترمیمات کو بھی جو ارکان

---

[1] صرف مستقل ترمیمات ہی کی تعداد چھ سو سے زائد تھی اور ان کا سلسلہ دستور کی ایک ایک دفعہ پر بعض جگہ اٹھارہ اٹھارہ تک پہنچتا تھا نیز مسودہ دستور میں جو اضافے تجویز کیے گئے تھے ان کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔

جماعت اس سلسلے میں اور بھیجنا چاہیں، سامنے رکھ کر جماعت کے لیے دستور بنائے۔

(۳) اس مجلس کا کوئی شخص بھی بربنائے عہدہ رکن نہ ہو بلکہ سب کے سب ارکان کے بلاواسطہ منتخب کردہ ہوں۔

(۴) جن حلقوں میں ارکان کی تعداد بیس سے بھی کم ہو ان کو ایک ایک نشست بہرحال دے دی جائے۔ چنانچہ اس حساب کے مطابق مجلس کے کل ارکان کی تعداد ۳۴ ہوگی اور تنظیمی حلقوں پر ان کی تقسیم اس طرح ہوگی:۔

نام حلقہ	اس حلقہ میں ارکان کی کل تعداد	تعداد نشست ہائے مجلس ترتیب دستور	نام حلقہ	اس حلقہ میں ارکان کی کل تعداد	تعداد نشست ہائے مجلس ترتیب دستور
سندھ و کراچی	۹۱	۵	لائل پور	۸۶	۴
بلوچستان	۴	۱	ملتان	۹۶	۵
ریاست بہاولپور	۶۷	۳	راولپنڈی	۵۷	۳
لاہور	۸۸	۴	سرحد	۹۶	۵
گوجرانوالہ	۶۲	۳	مشرقی پاکستان	۱۲	۱

اس تجویز کی ایک ایک شق پر بحث ہوئی اور بعض ترمیمات بھی پیش ہوئیں اور رائے شماری کی ضرورت پیش آئی۔ آخر یہ تجویز حسب ذیل اضافے کے ساتھ قبول کر لی گئی:۔

"مجلس کے ارکان کی تعداد ۳۴ سے بڑھا کر ۳۹ کر دی جائے اور ان پانچ زائد ارکانِ مجلس کو پوری جماعت کے ارکان سے غیر علاقائی بنیاد پر منتخب کرایا جائے"

تجویز ۲۔ بسلسلۂ تنظیم متفقین جماعت اسلامی پاکستان

یہ تجویز بھی مجلس شوریٰ کی طرف سے تھی اور اسے چوہدری علی احمد خاں صاحب نے پیش کیا۔ تجویز یہ تھی:۔

"آئندہ ایک سال میں کوشش کی جائے کہ جماعت کے متفقین کی تعداد کم از کم بارہ ہزار تک پہنچ

جائے اور یہ تعداد جماعت کے مختلف تنظیمی حلقے حسب ذیل تناسب سے پوری کریں:۔

حلقۂ لاہور	= دو ہزار	حلقۂ صوبہ سرحد	= پانچ سو
حلقۂ گوجرانوالہ	= دو ہزار	حلقۂ ریاست بہاولپور	= ایک ہزار
حلقۂ لائل پور	= دو ہزار	حلقۂ بلوچستان	= پچاس
حلقۂ ملتان	= دو ہزار	حلقۂ مشرقی پاکستان	= ایک سو
حلقۂ راولپنڈی	= ایک ہزار	حلقۂ سندھ و کراچی	= بقیہ ایک ہزار تین سو پچاس

اس تجویز کو واضح کرتے ہوئے چوہدری صاحب نے اس کے مقصد پر بھی روشنی ڈالی۔ اور اس کے بعد اس پر بھی بحث شروع ہوئی۔ بعض ارکان کی طرف سے یہ ترمیم پیش کی گئی کہ متفقین کی تعداد مقرر کرنے کے بجائے ہر حلقہ کے لیے بستیوں کی تعداد مقرر کر دی جائے جن تک دعوت پہنچانا لازم کر دیا جائے۔ لیکن حسب ذیل وضاحت کے بعد یہ تجویز اپنی اصل صورت میں بلا ترمیم پاس ہو گئی:۔

"بارہ ہزار کی یہ تعداد مختلف تنظیمی حلقوں کے ذمہ دار حضرات کے مشورے سے اور حلقوں کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد مقرر کی گئی ہے۔ اگرچہ مجلس کے نزدیک یہ تعداد کم از کم ہے جو ایک سال کے اندر پوری ہو جانی چاہیے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ محض تعداد پوری کرنے کے لیے ایسے لوگوں کو متفقین میں بھرتی کر لیا جائے جو متفقین کے لیے مقررہ شرائط کو بالفعل نہ پورا کرتے ہوں۔ اس تعداد کے تعین کا بڑا مقصد یہ ہے کہ ہر حلقہ کے کارکنوں کے سامنے ایک واضح اور متعین ہدف موجود رہے جسے نگاہ میں رکھ کر وہ سال بھر تک کام کریں۔ سال کے بعد ہم پھر مل کر بیٹھیں گے اور اگر کسی حلقہ میں کارکن اس تعداد کو پورا نہ کر پائے ہوں گے تو غور کریں گے کہ آیا اس کی وجہ ہمارے کارکنوں کی کم کوشی ہے یا اس کے اسباب کوئی دوسرے ہیں۔ دوسرے اسباب ہونگے تو ہم ان کا جائزہ لے کر دیکھیں گے کہ انہیں دور کرنے کے لیے کیا کچھ کیا جا سکتا ہے"

اس کے بعد یہ اجلاس سوا گیارہ بجے دوپہر برخاست ہو گیا۔

پانچواں اجلاس یہ اجلاس اسی روز (۱۲ نومبر) بعد نماز ظہر سوا دو بجے شروع ہوا۔ اس میں بقیہ تجاویز پیش ہوئیں جو حسب ذیل ہیں :۔

تجویز نمبر ۳۔ بسلسلہ تحصیل و تقسیم زکوٰۃ۔

یہ تجویز بھی مجلس شوریٰ ہی کی طرف سے تھی اور اسے مولانا عبدالغفار حسن صاحب نے پیش کیا تجویز یہ تھی:

"ارکان جماعت سے زکوٰۃ کی باقاعدہ اور باضابطہ تحصیل کا انتظام کیا جائے۔ اس طرح سے وصول شدہ زکوٰۃ کا پچیس فیصدی حصہ مرکزی بیت المال میں بھیجا جایا کرے اور باقی پچھتر فیصدی مقامی ضلعی اور حلقہ کی ضروریات کے لیے رکھا جائے۔"

اس تجویز کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ اگرچہ ارکان جماعت کے لیے پہلے بھی یہ لازم ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ اور عشر جماعت کے بیت المال میں داخل کریں لیکن اس کی تحصیل کا جماعت کی طرف سے کوئی باقاعدہ انتظام نہیں ہے۔ تجویز کا مقصد یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ اور عشر کی تشخیص اور تحصیل کا باقاعدہ انتظام کرے۔ اس کی تشخیص اور ادائیگی کو ارکان پر چھوڑ دینا درست نہیں ہے۔

مختصر سی بحث کے بعد یہ تجویز بالاتفاق قبول کر لی گئی۔

تجویز ۴۔ لٹریچر کی توسیع اشاعت اور مکتبوں کا قیام

یہ تجویز بھی مجلس شوریٰ کی طرف سے آئی تھی اور اسے مولانا صدرالدین صاحب (راولپنڈی) نے پیش کیا۔ تجویز یہ تھی :۔

"ایک سال کے اندر اندر ان تمام مقامات پر جماعت کے لٹریچر کے مکتبے یا ایجنسیاں قائم کر دی جائیں جہاں مختلف حلقوں کی رپورٹوں میں مکتبوں کی ضرورت ظاہر کی گئی ہے۔"

یہ تجویز بلابحث منظور کر لی گئی۔

تجویز نمبر ۵۔ تربیت گاہوں کے قیام کے بارے میں

یہ تجویز بھی مجلسِ شوریٰ کی طرف سے تھی۔ اسے مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے پیش کیا۔

تجویز یہ تھی :-

"چونکہ ہر حلقہ میں الگ تربیت گاہ کے لیے موزوں مربی (تربیت دینے والے، اور دوسری ضروریات مہیا کرنا مشکل ہورہا ہے اور اسی وجہ سے مجلس شوریٰ کے فیصلہ کے باوجود بجز دو حلقوں کے کسی حلقہ میں بھی کوئی تربیت گاہ قائم نہیں ہوسکی اس لیے اب تجویز کیا جاتا ہے کہ ہر حلقہ میں الگ تربیت گاہ قائم کرنے کے بجائے حسب ذیل طریق پر صرف چار تربیت گاہیں قائم کی جائیں :-

۱۔ تربیت گاہ لاہور برائے حلقہ لاہور، گوجرانوالہ و لائل پور۔

۲۔ تربیت گاہ راولپنڈی برائے حلقہ راولپنڈی و حلقہ سرحد۔

۳۔ تربیت گاہ ملتان برائے حلقہ ملتان و حلقہ بہاولپور۔

۴۔ تربیت گاہ کراچی برائے حلقہ سندھ و کراچی و بلوچستان

لاہور، راولپنڈی اور کراچی کی تربیت گاہیں سال میں صرف ایک ایک ماہ کے لیے قائم کی جائیں۔ اور ان کے مربی (مولانا) امین احسن (اصلاحی) اور مولانا عبدالغفار حسن صاحب ہوں اور ملتان کی تربیت گاہ کے مربی مولانا عبدالحق صاحب (بہاول پور) اور مولانا معین الدین صاحب (ملتان) ہوں۔ تربیت کی مدت پندرہ دن رکھی جائے۔

یہ تجویز بغیر کسی بحث و تنقید کے قبول کر لی گئی۔

تجویز ۶ ۔ آسان زبان میں ایک ہفت روزہ رسالہ کا اجراء

یہ تجویز قاضی رحمت اللہ صاحب منڈی ہیرا سنگھ ضلع منٹگمری کی تھی اور انہوں نے خود ہی اسے پیش کیا۔ اس تجویز کا خلاصہ یہ تھا :-

"سوسائٹی کے کم پڑھے لکھے لوگوں اور بالخصوص دیہاتی عوام میں اسلامی فکر پھیلانے، انہیں اسلامی نظام کی ضرورت، اہمیت اور برکات سے روشناس کرنے اور اس طبقہ کے لوگوں

پرمشتمل حلقۂ متفقین کی ذہنی اور علمی تربیت کے لیے ضروری ہے کہ جماعت کے اہتمام میں ایک ایسا ہفت روزہ اخبار جاری کیا جائے جو زیادہ سے زیادہ سہل، سادہ اور عام فہم زبان میں ہو اور معمولی پڑھنے لکھنے لوگوں کے ذہنوں میں بھی اسلام اور اس کے تقاضوں کو اتارنے کی وہی قوت رکھتا ہو جو جماعت کے موجودہ لٹریچر میں اونچے تعلیم یافتہ لوگوں کے بارے میں پائی جاتی ہے،

جو اس طبقہ کے اپنے ماحول اور مسائل سے ان کی زبان میں اور ان کے نفسیات کے مطابق بحث کرے۔ مثلاً مالک و مزارع اور محنت اور سرمایہ کی کشمکش، طبقاتی نزاع، معاشی اور معاشرتی تفاوت، اس تفاوت سے پیدا شدہ اور خاندانی اور گروہی عصبیتیں، حکومت اور عوام کے معاملات اور ان کے باہم حقوق اور فرائض وغیرہ

جو ان کے سامنے موجودہ بگاڑ اور ان کے مصائب کا صحیح علاج پیش کرے، انہیں مختلف جگہ جماعتی کام کی رفتار، کارکنوں کے تجربات و مشاہدات، اور ضروری ہدایات سے آگاہ کرے جس میں ہفتہ بھر کی ضروری اور اہم ملکی اور غیر ملکی خبروں کا خلاصہ اور ان پر اسلامی نقطۂ نظر سے تبصرہ بھی ہو۔ نیز اس میں چند صفحات عورتوں اور بچوں کے لیے خاص ہوں"

اس تجویز کے بارے میں امیر جماعت نے فرمایا کہ جہاں تک مرکز کا تعلق ہے اس وقت وہ کوئی پرچہ جاری نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر کوئی حلقہ اس کام کو اپنے ذمے لے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس سے کوئی اختلاف کرے گا۔ اس پر معلوم ہوا کہ حلقۂ لاہور کے سامنے اس طرح کے ایک رسالہ کی تجویز پہلے سے موجود ہے۔ چنانچہ طے ہوا کہ حلقۂ لاہور اس کام کو کرے اور دوسرے سب حلقوں کے لوگ اس سے اس کام میں تعاون کریں۔

اس کے بعد مولوی گلزار احمد صاحب قیم ضلع میانوالی نے ایک تجویز پیش کی لیکن تھوڑی بحث کے بعد انہوں نے اسے واپس لے لیا۔ لہٰذا اس کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں۔

سوالات اور جوابات

تجاویز کے بعد اُن سوالات کے جوابات دیے گئے جو بعض ارکان کی طرف سے اس لیے

آئے تھے کہ ان کا جواب برسرِ اجلاس دیا جائے۔ یہ سوالات اور ان کے جوابات درج ذیل ہیں :-

سوال ۱ : حاجی بشیر احمد صاحب رکن جماعت اسلامی شہر ملتان کو کس بنا پر جماعت سے علیحدہ کیا گیا ہے درآنحالیکہ وہ خود ہی مستعفی ہو چکے تھے ؟ (از جناب محمد شفیع صاحب، گوجرانوالہ شہر)

جواب : اس کا جواب دیتے ہوئے قیم جماعت نے کہا کہ اول تو جب یہ تسلیم ہے کہ حاجی صاحب نے خود بھی استعفا دے دیا تھا تو پھر یہ پوچھنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے کہ انہیں کس بنا پر جماعت سے علیحدہ کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ حاجی صاحب خود اس اجتماع میں موجود ہیں۔ یہ ان سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کس وجہ سے استعفا دیا تھا اور انہیں کس بنا پر جماعت سے الگ کیا گیا۔ اس طرح کے سوالات برسرِ عام پوچھنے اور ان کا جواب دینے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ شکایتیں اور رنجشیں پیدا ہوں اور ان سے طرح طرح کے فتنے اٹھیں۔ کسی رکن کی علیحدگی کے وجوہ کو پبلک میں زیرِ بحث لانا ہم نے کبھی پسند نہیں کیا، اِلّا یہ کہ وہ خود اس کو پسند کریں۔

سوال ۲ : اس مدت میں قیم جماعت اور امیر جماعت نے جماعت کے تنظیمی امور کی بہتری کے لیے کتنے اور کس کس علاقے کے دورے کیے ؟ (جناب محمد اکرم قریشی صاحب اوکاڑہ)

جواب : قیم جماعت نے کہا کہ جہاں تک امیر جماعت کا تعلق ہے انہوں نے مئی ۵۲ء سے، جبکہ وہ جیل سے رہا ہوئے، اب تک اتنے دورے کیے ہیں کہ اس سے قبل انہوں نے کبھی اتنے دورے نہ کیے تھے۔ صوبہ پنجاب کے تین ضلعوں کو چھوڑ کر کوئی ضلع ایسا نہیں ہے جس کا انہوں نے دورہ نہ کیا ہو، بلکہ بعض ضلعوں میں وہ ایک سے زیادہ مرتبہ جا چکے ہیں۔ کراچی، سندھ، بلوچستان اور سرحد کا بھی وہ دورہ کر چکے ہیں۔ البتہ قیم جماعت نے بہت کم دورہ کیا ہے اور اس کی وجہ شعبہ تنظیم میں کارکنوں کی کمی ہے۔ اب اسے دور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کے بعد ان شاء اللہ قیم جماعت باقاعدہ دوروں کے لیے وقت نکال سکے گا۔

سوال ۳ : جدید تنظیم سے پہلے ہمدردوں اور متفقین کی تعداد پاکستان بھر میں کیا تھی ؟ (ایضاً)

جواب : یہ تعداد مرتب نہیں کی گئی۔ حلقوں کی رپورٹوں سے جمع کر کے ہی بتائی جا سکتی ہے۔

سوال ۱۲: کیا مرکزی شعبۂ تنظیم میں ضرورت کے لحاظ سے کافی کارکن ہیں؟ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے کہ اس شعبہ کے کام کو دوسرے کاموں کی نسبت کم اہمیت دی جارہی ہے؟ (ایضاً)

جواب: سوال کے پہلے حصہ کا جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں آچکا ہے۔ شعبۂ تنظیم کے کارکنوں میں کمی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اسے دوسرے کسی شعبہ سے کم اہمیت دی جارہی ہے۔ بلکہ اس کی وجہ جماعت کی مالی اور بعض دوسری مجبوریاں رہی ہیں۔ ان کو مل جل کر دور کیجیے۔ پھر انشاء اللہ کوئی شکایت نہ رہے گی۔

سوال ۱۳: مولانا عبداللہ صاحب جہانیہ کی رکنیت سے علیحدگی کے وجوہات کیا ہیں؟ (ایضاً)

جواب: اس سوال کا جواب آپ خود مولانا ہی سے دریافت کریں۔ وہ اس اجتماع میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔

سوال ۱۴: جماعتی کام کے متعلق بہت سی تجاویز بروقت عمل میں نہیں آتیں بلکہ ان کو عملی جامہ پہنانے میں غیر معمولی تاخیر بلکہ تساہل سے کام لیا جاتا ہے جس کی ایک واضح مثال دستورِ جدید کی تیاری ہے۔ (از حافظ غلام رسول صاحب میر پور خاص)

جواب: ان تجاویز کا حوالہ دینا چاہیے جن کو بروقت عملی جامہ نہ پہنانے کی شکایت ہے جہاں تک دستور کی ترتیب کا سوال ہے، اسے جماعت کے اجتماع عام ہی میں پیش کیا جاسکتا تھا۔ اور اجتماع عام کے اب تک منعقد نہ ہوسکنے کے وجوہ سب ارکان کو معلوم ہیں۔ ان کا کوئی تعلق ہمارے تساہل سے نہیں ہے۔ البتہ دستور کا مسودہ ارکان کو بھیجنے میں ضرور دیر ہوئی ہے اور اس کی وجہ مرکزی شعبۂ تنظیم میں کارکنوں کی غیر معمولی کمی ہے۔ پورے کام کو صرف دو آدمی چلا رہے ہیں اور یہ بھی اس طرح کہ شعبۂ استقبالات کی ساری ڈاک بھی اسی شعبہ کے ذمہ ہے۔

سوال ۱۵: جماعت کے بعض ذمہ دار حضرات کے بیانات اشخاص پرستی کی طرف لے جانے والے ہیں۔ مثلاً مدیر چراغِ راہ کا مولانا امین احسن صاحب کے "تدبرِ قرآن" پر تبصرہ جس میں انہوں نے مولانا کے متعلق حد سے زیادہ تعریفی جملوں کا استعمال کیا ہے۔ نیز چوہدری عبدالغنی صاحب ضلع لاہور

کا اخبار کو زرین تاثراتِ تربیت گاہ کے سلسلے میں مولانا امین احسن صاحب کے بارے میں اظہارِ خیال۔ (ایضاً)

جواب: امیر جماعت نے اس کے جواب میں کہا کہ ارکانِ جماعت کی دو تہائی تعداد یہاں موجود ہے اور متفقین کی ایک کثیر تعداد بھی موجود ہے، وہ شہادت دے سکتے ہیں کہ جماعت میں ایسی کوئی عام بیماری نہیں پائی جاتی جسے اشخاص پرستی سے تعبیر کیا جا سکتا ہو۔ بلکہ اس جماعت کا طرزِ عمل اپنے گرد و پیش کی سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے بالکل برعکس ہے۔ نہ یہاں اپنے لیڈروں کے لیے کسی قسم کے القاب و خطابات استعمال کیے جاتے ہیں۔ نہ ان کے ناموں یا کارناموں کو اچھالا جاتا ہے، اور نہ ان کی تعظیم و تکریم ہی کا کوئی خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس حالت میں اگر اتفاقاً کسی شخص کا کوئی مستثنیٰ فعل آپ کو کھٹکے تو مناسب یہ ہے کہ آپ خود اسی شخص سے گفتگو یا مراسلت کریں اور اس کو اصلاح کی طرف توجہ دلائیں۔ ایسے انفرادی معاملات کو اجتماع عام میں زیرِ بحث لانا ٹھیک نہیں ہے، جب تک کہ فی الواقع ان معاملات کا کوئی عام اثر جماعت میں نہ پایا جائے۔

سوال ۸۔ بعض ارکانِ جماعت انگریزی بال بنوا رہے ہیں۔ ان میں سے بعض جماعت کے نمایاں عہدوں پر ممتاز ہیں۔ اہمیت رکھنے والی ذمہ داریوں کے متحمل ہیں۔ عوام اور دین دار طبقہ سے ان کا میل جول زیادہ ہے۔ ان حالات کی روشنی میں سوال یہ ہے کہ دین کو تمام گوشوں سمیت دنیا پر مسلط کرنے کی جدوجہد کرنے والے افراد گوشۂ حجامت میں کیوں دین قائم نہیں کرتے؟

(از حکیم محمد عبداللہ صاحب ضلع سرگودھا)

جواب: اس سوال کا جواب بھی امیرِ جماعت نے دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنی جماعت کے ارکان کو صرف منصوص احکام کی پیروی کا پابند کر سکتے ہیں، کسی مخصوص استنباط کی پیروی کا پابند نہیں کر سکتے۔ جس طرز کے بالوں کو آپ ناجائز کہہ رہے ہیں، اگر ان کے ناجائز ہونے پر آپ کے پاس کوئی نص ہو تو وہ ضرور میرے علم میں لائیں، میں اس کے اتباع کا حکم دوں گا۔ لیکن اگر اس عدم جواز کو آپ نے کسی نص سے مستنبط کیا ہے، تو اپنے استنباط کی پیروی کرنا آپ ہی پر لازم ہے، یا پھر

اُس پر جو آپ کے استنباط کو صحیح مان لے۔ دوسرا شخص جو اس نص کے معنی آپ کے لیے ہوئے معنی سے مختلف سمجھتا ہو، اور اپنے پاس اس کے لیے دلیل رکھتا ہو، اسے نہ آپ خود مطعون کرنے کا حق رکھتے ہیں، اور نہ مجھ سے یہ مطالبہ کر سکتے ہیں کہ میں آپ کے استنباط کو ایک قانون کی حیثیت سے جماعت میں نافذ کروں۔ آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ جن جزئی مسائل میں ایک سے زیادہ مسلک و مذہب ہونے کی خود شریعت میں گنجائش موجود ہے۔ ان کے بارے میں تشدّد اور تنگ نظری برتنے کے نتائج اس اُمت کے حق میں بہت بُرے نکل چکے ہیں۔ اب آخر کب تک یہ سلسلہ جاری رکھا جائیگا؟

چھٹا اجلاس یہ اجلاس ۲۱ نومبر کو بعد نماز مغرب طعام گاہ میں منعقد ہوا۔ یہ صرف ارکان جماعت کے لیے مخصوص تھا۔ اس کا اولین کام تنقید تھا اور اس کی غرض یہ تھی کہ جس رکن جماعت کو امیر جماعت سمیت جس کے خلاف بھی کوئی اعتراض یا شکایت ہو وہ اسے بیان کرے اور اس سے جواب لے تاکہ اس اجتماع سے سب لوگ بالکل صاف دل لے کر جائیں۔ سب سے پہلے امیر جماعت نے خود اپنے آپ کو پیش کیا کہ ان کی پالیسی پر یا ان کی ذات پر جس شخص کو حیثیت سے جو اعتراض یا شکایت ہو بلا تامل بیان کرے۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں کے معاملات بھی زیر بحث آئے۔

اس اجلاس کے دوران میں صوبہ سرحد سے ایک تار ملا جو جماعت اسلامی صوبہ سرحد کے اُس تار کا مثنیٰ تھا جو خواجہ ناظم الدین صاحب وزیر اعظم پاکستان کو دیا گیا تھا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ آپ کے آزادانہ انتخابات کے وعدوں کے باوجود جماعت اسلامی کے دوسرے نامزد نمائندے ارباب نعمت اللہ خاں صاحب کو بھی گرفتار کر لیا گیا ہے۔ یہ تار سرحد کے کسی تار گھر سے نہیں بلکہ پنجاب کے شہر کیمبل پور سے دیا گیا تھا۔ اس پر کراچی پہنچنے کی تاریخ اور وقت کا اندراج نہیں تھا۔ البتہ یہ درج تھا کہ وہ کیمبل پور سے ۱۱ نومبر کو دیا گیا۔ اس کی پشت پر حسب ذیل کارروائی انگریزی میں درج تھی:

اے۔ ایس۔ آئی / آر

برائے کرم احکام دیجیے کہ اس بارے میں کیا کیا جائے۔ (یعنی مکتوب الیہ کو تار پہنچا دیا

جائے یا نہیں) (دستخط)

سات بجے فون پر دریافت کیا گیا۔ حکم ملا کہ دس منٹ انتظار کیجیے۔

۷½ بجے فون کیا گیا۔ جواب ملا کہ روکے رکھیے اور خود تشریف لے گئے۔

۷¾ بجے تک انتظار کیا گیا۔ (دستخط)

۸ بجے پھر فون کیا گیا مگر کوئی جواب نہ ملا۔

——— عرض کیا گیا برائے کرم ہدایت دیجیے۔

جواب ملا۔ ہاں (دستخط)

اس طرح ۱۱ نومبر کا تار ۱۲ نومبر کو رات کے تقریباً ۹ بجے مکتوب الیہ کو ملا۔ اس میں گویا صوبۂ سرحد کے "آزاد انتخابات" کی پوری تاریخ بند تھی۔ اور یہ اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ برسر اقتدار سیاسی پارٹی اپنے جماعتی مفاد کے لیے سرکاری محکموں کو کس طرح استعمال کر رہی ہے۔

اس کے بعد اس اجلاس میں مرکزی بیت المال کی رپورٹ اور جماعت کا بجٹ بھی پیش ہوا جسے ارکانِ جماعت نے منظور کیا۔ یہ اجلاس رات کو دس بجے ختم ہوا۔

حلقہ وار اجتماعات | ۱۳ نومبر بروز منگل صبح اور بعد دوپہر مختلف حلقوں اور گروپوں نے اپنے اپنے الگ اجتماعات کئے تاکہ جماعت کے آئندہ پروگرام کے مطابق یہیں سے اپنے اپنے لیے کام کا نقشہ بنا کر روانہ ہوں۔ تعلیم کسانوں اور مزدوروں کے کام سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں نے بھی باہم مل کر اپنے اپنے مسائل پر غور کیا۔

ساتواں اجلاس | اسی روز شام کے چھ بجے اس اجتماع کا آخری اجلاس منعقد ہوا جس میں امیر جماعت نے اپنی وداعی ہدایات ایک تقریر کی صورت میں ارشاد فرمائیں۔ یہ تقریر سوا دو گھنٹے جاری رہی۔ اس کے بعد اجتماع ختم ہو گیا۔

نمائش | اس اجتماع کی خاص قابلِ ذکر چیزوں میں سے ایک "نمائش" بھی تھی جس میں نقشوں، چارٹوں اور کتبوں کے ذریعے سے جماعت کی موجودہ طاقت، کیفیت اور تنظیم کو، اس کی دعوت اور اس کی تاریخ کو اور ان مختلف مراحل کو جن سے جماعت اب تک گزری ہے دکھایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ جماعت کے لٹریچر اور اسکے اپنے اور دوسرے ہم خیال رسائل اور اخبارات کی بھی نمائش کی گئی تھی۔ وہ تمام قابلِ ذکر لٹریچر بھی اس میں فراہم کیا گیا تھا جو تحریک اسلامی کے زیر اثر دوسرے دار الاشاعتوں اور مکتبوں نے شائع کیا ہے۔

اجتماعِ کراچی کی افتتاحی تقریر

[یہ وہ تقریر ہے جو ۱۰ / نومبر کو جماعتِ اسلامی کے اجتماعِ عام کا افتتاح کرتے ہوئے کراچی میں کی گئی تھی]

حمد و ثنا کے بعد:۔

رفقائے جماعت و برادرانِ دین! کئی سال کے بعد آج مجھے یہ موقع نصیب ہوا ہے کہ اپنی جماعت کے تمام رفقاء کو یک وقت خطاب کر سکوں۔ ۱۹۴۶ء میں جماعت کا اجتماعِ عام الٰہ آباد میں ہوا تھا جبکہ ملک ابھی تقسیم نہ ہوا تھا۔ اس وقت سارے ہندوستان (مع پاکستان) کے رفقاء جمع ہوئے تھے۔ مگر میں اپنی بیماری کی وجہ سے اجتماع کی کارروائی میں حصہ نہ لے سکا۔ پھر ۱۹۴۹ء میں پاکستان کی جماعت کا اجتماعِ عام لاہور میں منعقد ہوا۔ مگر میں آپ کے درمیان موجود نہ تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آج برسوں بعد آپ کا یہ مجمع میری موجودگی میں اکٹھا ہوا ہے اور میں اسے خطاب کر رہا ہوں۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس اجتماع کو ہمارے لئے مبارک بنائے اور ہم سے اپنے دین کے قیام و اعلاء کی خدمت لے۔

یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ ہمارا یہ اجتماع پاکستان کے دارالسلطنت میں منعقد ہو رہا ہے، جو اس ملک میں جغرافی طور پر نہ سہی، معنوی حیثیت سے ضرور مرکزی مقام ہے۔ یہاں پورے ملک کے اہلِ دماغ کا مجموعہ موجود ہے۔ یہاں کی آبادی پورے ملک میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور سب سے بڑھ کر ذی شعور ہے۔ اور خدا کرے کہ سب سے بڑھ کر بیدار بھی ہو۔

اس مرکزی مقام پر، اس کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنی اس تقریر میں بیرونِ ملک اور اندرونِ ملک کے تمام اہم مسائل پر اظہارِ رائے کروں، اور ملک کے داخلی حالات پر تبصرہ کرنے کے ساتھ یہ بھی بتاؤں کہ ان حالات کی اصلاح کے لئے ہمارے پاس کیا پروگرام ہے اور

موقع پر جو کچھ میں عرض کروں گا وہ محض میری ذاتی رائے ہی نہ ہوگی، بلکہ جماعت اسلامی کے نقطۂ نظر اور پالیسی اور پروگرام کی توضیح ہوگی۔

لیاقت علی خاں مرحوم کا قتل

کسی دوسرے مسئلے پر گفتگو کرنے سے پہلے میں اس حادثۂ عظیم پر اپنے اور اپنی جماعت کے دلی رنج و افسوس کا اظہار کرتا ہوں جو ابھی پچھلے ہی مہینے ہمارے ملک میں رونما ہوا ہے یعنی مسٹر لیاقت علی خاں مرحوم کا قتل۔ یہ واقعہ نہ صرف شخصی حیثیت سے دردناک ہے، نہ صرف اخلاقی حیثیت سے شرمناک ہے، بلکہ اس لحاظ سے پورے ملک کے لئے افسوسناک بھی ہے کہ ایک نہایت نازک موقع پر، جبکہ ہمارا ملک خطرات سے گھرا ہوا ہے، ایک ایسا شخص ہمارے درمیان سے زبردستی ہٹا دیا گیا جو یہاں کے معاملات کی سربراہ کاری کا سارا بوجھ اٹھائے ہوئے تھا جس سے زیادہ با اثر اور ذمہ دار شخصیت ہمارے یہاں موجود نہ تھی۔ ان سارے اختلافات کے باوجود جو ہمیں ان کی پالیسی اور طریق کار سے تھے، ہم اس بات کے معترف ہیں کہ انہوں نے بڑے نازک زمانے میں اس ملک کے نظم و نسق کی ذمہ داری سنبھالی اور اپنی قابلیت کے مطابق اس نوزائیدہ مملکت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کی پوری کوشش کی۔ اس کارِ عظیم میں ان کی محنت و جانفشانی کا اعتراف ہر وہ شخص کرے گا جس نے پچھلے سوا چار سال کی مشکلات کو دیکھا ہے۔

پھر یہ واقعہ اس لحاظ سے خطرناک بھی ہے کہ یہ اس ملک میں ایک بہت برے رجحان کے ابھرنے کی علامت ہے۔ اگرچہ سردست یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس حرکت کا محرک کیا تھا ــــ کوئی سیاسی محرک تھا یا شخصی ــــ لیکن اگر فی الواقع وہ کوئی سیاسی محرک تھا تو یقیناً یہ حالات کو ایک ایسے رخ کی طرف موڑنے والی حرکت ہے جس کی ہر اس شخص کو مذمت کرنی چاہیئے جو اس ملک اور اس ملت کی فلاح چاہتا ہو۔ کسی ملک کے لیئے اس سے بڑھ کر اور کوئی بدقسمتی نہیں ہو سکتی کہ اس میں فیصلے کا آخری اختیار عقل، شعور، دلیل اور رائے عام سے چھین کر قاضی شمشیر کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ

قاضی کوئی عادل اور صاحب فکر قاضی نہیں ہے۔ یہ اندھا، بہرا اور گونگا قاضی ہے۔ اس سے جب کبھی فیصلہ چاہا گیا ہے، اس نے حق اور انصاف دیکھ کر نہیں بلکہ خون کی رشوت لیکر فیصلہ کیا ہے اور جس نے بھی زیادہ خون چڑھا دیا ہے اُسی کے حق میں اس نے فیصلہ دے دیا ہے خواہ وہ حق پر ہو یا ناحق پر، خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ کوئی قوم جو خود اپنی دشمن نہ ہو اور جس کی عقل کا دیوالہ نہ نکل چکا ہو ایسی بیوقوف نہیں ہو سکتی کہ اپنے معاملات کا فیصلہ شعور و استدلال کے بجائے تلوار کے اندھے اور رشوت خوار قاضی کے حوالہ کر دے۔ اگر ہم اپنا مستقبل تاریک نہیں کرنا چاہتے تو ہمیں پوری طاقت کے ساتھ اپنے ملک کے حالات کو اِس خطرناک رُخ پر جانے سے روکنا چاہیئے۔

اس کے ساتھ یہ اندوہناک واقعہ ہم سب کے لیے اپنے اندر ایک اخلاقی سبق بھی رکھتا ہے۔ اس سے پہلے ہم سُن چکے ہیں کہ ہمارے ملک میں ایک سازش ہوئی تھی جس کا مقصد فوجی طاقت سے سیاسی انقلاب برپا کرنا تھا۔ اور اب ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ ہمارے سب سے بڑے ذمہ دار سیاسی لیڈر کو علی الاعلان قتل کر دیا گیا۔ ہمیں واقعات کی اس منطق کو سمجھنا چاہیے۔ یہ واقعات ہمیں ایک تنبیہ کر رہے ہیں۔ اُس تنبیہ کو غفلت سے نظر انداز کر دینا مناسب نہیں ہے۔ ہمیں اور خصوصاً ہمارے ذمہ دار لوگوں کو یہاں ایسے حالات پیدا کرنے اور قائم رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے جن میں ہر وہ سیاسی تغیر پرامن طریقے سے ہو سکتا ہو جس کے حق میں رائے عام ہموار ہو جائے، اور کوئی ایسی وجہ باقی نہ رہے جس کی وجہ سے لوگ یہ سوچنے لگیں کہ قومی اور سیاسی معاملات کا فیصلہ مصنوعی اور جبری تدابیر اختیار کیے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ برطانیہ ایک غیر مسلم ملک ہے، مگر حکمت بہرحال مومن کی کھوئی ہوئی متاع ہے جہاں سے بھی یہ ملے اسے لینا چاہیے۔ ہمارے لیے برطانوی قوم کے طرزِ عمل میں ایک سبق موجود ہے جس سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں کوئی فوجی یا غیر فوجی سازش نہیں ہوتی۔ کوئی خفیہ تحریک نہیں اٹھتی۔ کوئی انگریز، خواہ وہ ملک کے رائج الوقت نظام سے کتنا ہی سخت اختلاف رکھتا ہو، کبھی یہ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ اسے اپنے ملک کے کسی لیڈر یا حکمراں کو قتل کر دینا چاہیے۔ بڑے سے بڑے انقلابی خیالات رکھنے

والے آدمی کے ذہن میں بھی وہاں یہ تخیل راہ نہیں پاتا کہ جس انقلاب کا وہ خواہش مند ہے اسے برپا کرنے کے لیے فلاں شخص یا فلاں اشخاص کو قتل کر دینا مفید یا ناگزیر ہے۔ غور کیجیے کہ اس کا سبب کیا ہے؟ درحقیقت یہ سب کچھ اس بات کا ثمرہ ہے کہ وہاں ایسے حالات پیدا کیے گئے ہیں جن میں ہر شخص اپنے نظریے اور پروگرام کے حق میں رائے عام کو ہموار کرنے کی کوشش کر سکتا ہے، اور ہر شخص کو پورا اطمینان ہے کہ جب بھی وہ رائے عام کو ہموار کرے گا، ملک کا نظام اس کے منشا کے مطابق بدل جائیگا۔ وہاں اگر کسی کی بات نہیں چلتی تو اس لیے نہیں کہ کسی نے طاقت سے اس کا راستہ روک رکھا ہے، بلکہ صرف اس لیے کہ رائے عام اس کے حق میں نہیں ہے۔ یہ چیز اس کو پستول چلانے کے بجائے اپنی بات کو پھیلانے اور عوام کو اپنے دلائل سے مطمئن کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اسے کبھی یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ وہ اُن ذرائع سے محروم کر دیا جائے گا جن سے وہ اپنے حق میں رائے عام کو ہموار کر سکتا ہو۔ اور اس کو کبھی یہ خطرہ بھی لاحق نہیں ہوتا کہ انتخابات میں کوئی با اختیار شخص یا گروہ اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر رائے عام کے بالکل برعکس نتائج حاصل کرے گا۔ یہی چیز ہے جس کی بدولت برطانیہ میں ہر تغیر بالکل پُرامن اور معقول طریقے سے ہو جاتا ہے، اور باشندگانِ ملک میں جبری انقلاب یا سیاسی قتل و خون کا رجحان پیدا ہونے ہی نہیں پاتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ایسی ہی حالت ہمارے ملک کی بھی ہو جائے اور یہاں اُن اسباب کی جڑ کاٹ دی جائے جو سازشوں اور خفیہ تحریکوں اور مجرمانہ اقدامات کے محرک بنتے ہیں۔

خارجی مسائل

اب میں سب سے پہلے خارجی مسائل کا ـــــ اُن خارجی مسائل کا جو ہمارے لیے کسی نہ کسی حیثیت سے دلچسپی کے موجب ہیں ـــــ ایک مختصر جائزہ لونگا۔

مصر، ایران اور شمالی افریقہ | ہمیں ہر حیثیت سے قریب ترین دلچسپی جس معاملہ میں ہے وہ اُن مسلم ممالک کا معاملہ ہے جن سے اس وقت مغرب کی جابر طاقتوں کی کشمکش چل رہی ہے۔ ایران

مصر، شمالی افریقہ، یہ وہ ممالک ہیں جن پر ایک مدت دراز سے انگلستان اور فرانس دست درازی کرتے رہے ہیں، اور اب یہ اپنے نقصانات کی تلافی اور اپنے کھوئے ہوئے حقوق کی واپسی کے لیے کوشاں ہیں پچھلی جنگ عظیم کی برکات میں سے ایک برکت یہ ہے کہ اُن ظالم قوموں کا زور ٹوٹ گیا ہے جو دنیا بھر کے لیے بلائے بے درماں بنی ہوئی تھیں۔ جن کی سلطنت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا، اب ان میں وہ غروب ہونے لگا ہے۔ جو سمندر کی لہروں پر حکمرانی کر رہے تھے، اب ان کے پنجگل سے لہریں آزاد ہو رہی ہیں۔ مغلوب اور مظلوم ملکوں کو اب یہ موقع مل گیا ہے کہ جس گرفت میں وہ جکڑے ہوئے تھے اس سے نکلیں اور جو کچھ ناروا طریقے پر اُن سے لیا گیا تھا اسے واپس لیں۔ لیکن ظالم طاقتیں کمزور ہو جانے کے باوجود ابھی تک ہر اُس چیز کو دانتوں سے پکڑے ہوئے ہیں جو اپنے زور کے زمانے میں انہوں نے کمزوروں سے چھینی تھی۔ اس طرح مشرق سے لیکر مغرب تک ایک کشمکش برپا ہو گئی ہے۔

اس معاملہ میں ہماری ساری ہمدردیاں اُن ملکوں کے ساتھ ہیں جو اپنے جائز حقوق کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ہماری ہمدردی صرف اسی بنیاد پر نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہیں، بلکہ اس بنیاد پر بھی ہے کہ وہ مظلوم ہیں، حق ان کے ساتھ ہے، اور اُن کے حریف سراسر ناحق پر ہیں۔ ہماری دلی خواہش یہ ہے کہ اس دنیا سے ظلم مٹے اور انصاف کا بول بالا ہو۔

اس سلسلہ میں ایک اہم سوال بھی ہے جسے میں اس موقع پر صاف کر دینا چاہتا ہوں۔ میں نے بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ کھٹک پائی ہے، اور انگریزی پریس نے اس کو ابھارنے کی کوشش کی ہے کہ ایران اور مصر، دونوں نے اپنے اپنے معاہدات کی یک طرفہ تنسیخ کر دی ہے، حالانکہ معاہدے کا دوسرا فریق اس پر راضی نہ تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس طرح کسی معاہدے کو ایک فریق فسخ کرنے کا کیسے مجاز ہو سکتا ہے؟ یہ ایک اخلاقی سوال ہے جسے وہ لوگ تو نظر انداز کر سکتے ہیں جن کے نزدیک اصل اہمیت صرف قومی مفاد کی ہے اور جن کی رائے میں قومی مفاد کا اگر تقاضا ہو تو اس پر ہر اخلاقی اصول قربان کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہم اسے کسی طرح نظر انداز نہیں

کر سکتے، کیونکہ ہمارے نزدیک اخلاق ہر چیز پر مقدم ہے اور فائدہ ہو یا نقصان، ہر صورت میں اخلاقی اصولوں کی پابندی ہونی چاہیے۔ اس لیے میں اس سوال کا یہاں جواب دینا چاہتا ہوں تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں اس معاملے کے متعلق کھٹک موجود ہے ان کی کھٹک بھی دور ہو جائے اور ہمارے متعلق بھی کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم نے اخلاق کے سوال کو نظر انداز کر کے کسی بے جا حمیت کی بنا پر اس معاملہ میں مصر و ایران کی حمایت کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اصول اخلاق کے لحاظ سے بہت بڑا فرق ہے اُن معاہدات میں جو دو فریق اپنی آزاد مرضی اور مساویانہ طریقہ سے باہم طے کریں، اور اُن معاہدات میں جو ایک فریق کی کمزوری یا مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر دوسرا فریق حاصل کرے۔ اخلاق کی نگاہ میں یہ دو الگ الگ نوعیتوں کے معاہدے ہیں اور ان دونوں کا حکم ہرگز یکساں نہیں ہو سکتا۔ جو معاہدے فریقین کی آزادانہ رضامندی سے مساویانہ طریقے پر طے ہوئے ہوں وہ یقیناً وزنی اور قیمتی معاہدے ہیں، ان کی پوری پوری پابندی ہونی چاہیے، ان کی خلاف ورزی حرام ہے، ان میں کسی قسم کے ردوبدل کا ایک فریق کو حق نہیں پہنچتا۔ لیکن جو معاہدہ فریقین کی آزادانہ رضامندی سے مساویانہ طریقے پر طے نہ ہوا ہو، بلکہ جس کو ایک فریق نے اپنے زور سے حاصل کیا ہو اور دوسرے نے اپنی کمزوری یا مجبوری کی بنا پر مانا ہو، وہ اخلاقی حیثیت سے کوئی وزن اور قیمت نہیں رکھتا۔ اس کا قیام و بقا اخلاق پر نہیں بلکہ فریقین کے حالات پر منحصر ہے۔ جب تک وہ حالات باقی رہیں جن میں اس نوعیت کا معاہدہ ہوا تھا، صرف اسی وقت تک ایسا معاہدہ نافذ العمل رہ سکتا ہے۔ اور جب حالات بدل جائیں، جب ظالم کا زور ٹوٹ جائے اور مظلوم کی کمزوری یا مجبوری باقی نہ رہے، ایسے معاہدے کو آپ سے آپ ٹوٹ جانا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ جو اخلاقی ذمہ داری مظلوم فریق پر عائد ہوتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ حالات بدل جانے پر وہ پہلے ظالم فریق کو معاہدے پر نظر ثانی کرنے کی دعوت دے۔ لیکن اگر اس کے دعوت دینے کے باوجود ظالم فریق نہ مانے تو مظلوم فریق کو پورا حق پہنچتا ہے کہ اس کا معاہدہ اس کے منہ پر مار دے، یا

معاہدے میں انصاف کے مطابق مناسب ترمیم کر دے۔

یہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں یہ کوئی میرا من گھڑت اخلاقی اصول نہیں ہے، بلکہ شریعتِ اسلامی میں اس کی بنیاد موجود ہے۔ اسلامی قانون سود کے معاہدے کو تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ اس میں ایک فریق اپنی برتر مالی پوزیشن کی بنا پر سود کی شرط عائد کرتا ہے اور دوسرا فریق اپنی مالی کمزوری اور اپنے حالات کی مجبوری سے اس شرط کو قبول کرتا ہے۔ اسی طرح اسلامی قانون بیعِ مضطر کو بھی تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ اس میں ایک فریق دوسرے کو پریشان حال دیکھ کر اس کی ۱۰۰ روپے مالیت کی چیز کے پانچ روپے دام لگاتا ہے، اور دوسرا فریق اپنی مصیبت سے مجبور ہو کر ان داموں اپنی چیز بیچ دیتا ہے۔ یہ اصول صرف شخصی معاملات تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ بین الاقوامی معاملات میں بھی اس کی نظیریں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر صلح حدیبیہ کے معاہدے کو لیجیے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ کے درمیان طے ہوا تھا۔ اس معاہدے میں من جملہ دوسری شرائط کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مدینے سے جو لوگ بھاگ کر مکہ جائیں گے انہیں تو کفار مکہ واپس نہ کریں گے، مگر مکہ سے جو لوگ بھاگ کر مدینے جائیں گے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس کر دیں گے۔ یہ صریح طور پر ایک غیر معقول اور غیر منصفانہ شرط تھی جو کفار مکہ کے اصرار پر مانی گئی تھی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس مجبوری سے اس کو قبول کیا تھا کہ کفار مکہ اس کے بغیر آپ کو اور مسلمانوں کو زیارتِ کعبہ کا حق دینے کے لیے تیار نہ تھے، حالانکہ عرب کے قدیم ترین مسلّمہ قاعدے کے مطابق نہ حرم کعبہ اہل مکہ کی جائداد تھا اور نہ انہیں کسی کو اس کی زیارت سے روکنے کا، یا اس پر کوئی شرط عائد کرنے کا حق تھا۔ اس لیے ان کی یہ شرط قطعی غیر منصفانہ تھی اور ایک صاحب حق کی مجبوری سے بالکل ناجائز فائدہ اٹھا کر منوائی گئی تھی۔ اب دیکھیے کہ قرآن اس شرط کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے۔ جہاں تک مردوں کا تعلق تھا، قرآن نے اس کو باقی رہنے دیا۔ مگر جب کچھ عورتیں مکہ سے ہجرت کر کے مدینے آئیں اور کفار مکہ نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، تو قرآن میں صاف حکم آ گیا کہ ان عورتوں کو واپس نہ کیا جائے۔ یہ صریح طور پر بین الاقوامی معاہدے کی یک طرفہ ترمیم تھی

اور اس کے جواز کی اِس کے سوا اور کوئی بنیاد نہ تھی کہ جس معاہدے کو ایک فریق نے دوسرے فریق کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تسلیم کرایا ہو اس کی اخلاقی حیثیت ہرگز وہ نہیں ہے جو فریقین کی مساویانہ اور آزادانہ مرضی سے طے کیے ہوئے معاہدوں کی ہوتی ہے۔ اس طرح کے ایک معاہدے میں مظلوم فریق کو حق پہنچتا ہے کہ اگر پورا معاہدہ ظالمانہ ہو تو موقع پا کر اسے ظالم کے منہ پر مار دے، اور اگر معاہدے کی کچھ شرطیں ناقابلِ برداشت ہوں تو انصاف کو ملحوظ رکھ کر ان میں مناسب ترمیم کر دے۔ یہ ایک مستقل اصول ہے جو قرآن کے اس فیصلے سے مستنبط ہوتا ہے

پس ہم اس معاملہ میں بالکل مطمئن ہیں کہ ایران اور مصر نے معاہدات کی یک طرفہ تنسیخ کا جو اقدام کیا ہے وہ بالکل درست ہے۔ یہ معاہدے ظالمانہ تھے اور اسی قابل تھے کہ انہیں فسخ کر دیا جائے۔

شمالی افریقہ، مصر، ایران اور دوسرے تمام مسلم ممالک میں برطانیہ، امریکہ اور فرانس نے جو پالیسی اختیار کر رکھی ہے اس سے ہم کو یہ قوی اندیشہ ہے کہ اگر اس کا سلسلہ اسی طرح چلتا رہا تو آخر کار یہ پالیسی ان تمام ملکوں کو کمیونزم کی طرف دھکیل دیگی اور اس کے نتائج ساری دنیا کے لیے بھی خطرناک ہونگے اور خود ان مسلمان ملکوں کے لیے بھی۔ خدا کرے کہ ان ظالم قوموں کی آنکھیں کھل جائیں اور انہیں جلدی محسوس ہو جائے کہ اس نازک موقعہ پر یہ کیسی سخت غلطی کر رہی ہیں۔ اگر مسلمان ملک اپنے حق کے سوا کچھ اور مانگ رہے ہوتے تو البتہ یہ ایک بجا بات ہوتی اور اسے رد کر دینے میں مغربی قومیں حق بجانب ہوتیں۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی دوسرا ہے۔ حق والے اپنا حق مانگتے ہیں اور اسے طاقت کے بل پر ٹھکرایا جاتا ہے۔ اپنی جہانگیرانہ اغراض کے لیے نت نئی پالیسیاں بنائی جاتی ہیں اور زبردستی ان کو دوسروں پر ٹھونسا جاتا ہے۔ عرب ملکوں کے سینے میں اسرائیل کا خنجر بھونکا جاتا ہے۔ سویز کے راستے پر قابض رہنے کے لیے اصرار کیا جاتا ہے۔ ایران کے پٹرول کو چھوڑنے سے انکار کیا جاتا ہے۔ الجیریا، مراکش اور ٹیونس پر فرانس بدستور اپنا قبضہ جمائے رکھنا چاہتا ہے۔ ان حرکات کو آخر کون جائز ثابت کر سکتا ہے؟

ان پر اصرار کرنے کے معنی اس کے سوا اور کیا ہیں کہ آپ ان ملکوں کو زبردستی دھکیل دھکیل کر روس کی گود میں پھینکنا چاہتے ہیں۔ جس رفتار سے ان ملکوں میں کمیونزم کا زور بڑھ رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک امریکہ اور انگلستان کی ظالمانہ پالیسی نہ بدلے گی مسلمانوں کی کمیونزم سے طبعی بیزاری اور مسلم ممالک کی اسلامی تحریکات کے باوجود اس سیلاب کو نہ روکا جا سکے گا۔ پس یہ وقت ہے کہ امریکہ اور انگلستان ہوش میں آئیں اور اپنا رویہ بدلیں۔ حکومت پاکستان سے ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان دونوں سلطنتوں کو اُن کی موجودہ پالیسی کے خطرناک نتائج پر صاف صاف متنبہ کرے اور انہیں اس سے باز آنے کا مشورہ دے۔ ہمارے محکمہ خارجہ کو انہیں سمجھانا چاہیے کہ تم اب زیادہ مدت تک مسلم ممالک کے سینے پر مونگ نہیں دل سکتے۔ اب تمہیں دو راستوں میں سے ایک کو لامحالہ انتخاب کرنا ہوگا۔ ایک راستہ یہ ہے کہ تم ان ملکوں کو راضی اور مطمئن کر کے ان کا دوستانہ تعاون حاصل کرو۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ان کو تنگ کر کر کے کمیونزم اور روس کی طرف دھکیل دو۔ تم خود ہی موازنہ کر کے دیکھ لو کہ ان دونوں میں سے کونسا راستہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

مسلم ممالک کے سلسلے میں ایک اور بات بھی ہے جس کے متعلق میں جماعت اسلامی کے نقطۂ نظر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ خدا کے فضل سے اس وقت ان ملکوں میں متعدد ایسی تحریکیں چل رہی ہیں جن کا مقصد اسلام کا احیاء اور اسلامی نظامِ زندگی کی تجدید و ترویج ہے۔ ہم ایسی تمام تحریکات سے دلی ہمدردی رکھتے ہیں، سچے دل سے ان کی کامیابی کے خواہشمند ہیں، اور ہر اس تعاون کے لئے تیار ہیں جو ہمارے اور ان کے لئے ممکن ہو۔ اسی طرح ہم ان سے بھی یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں وہ ہمارے ہمدرد اور مددگار بنیں۔ بخلاف اس کے ان ملکوں میں جتنی تحریکیں قوم پرستی پر مبنی ہیں، یا جن کا مقصد مغربی افکار و اطوار اور غیر اسلامی تہذیب و تمدن کو فروغ دینا ہے، ہم ان کے اسی طرح مخالف ہیں جس طرح خود اپنے ملک کی ایسی تحریکات کے مخالف ہیں۔

روس اور اینگلو امریکن بلاک | خارجی مسائل میں دوسری اہم چیز جو ہمارے لئے اور ساری دنیا

کے لئے جاذبِ توجہ بنی ہوئی ہے وہ اینگلو امریکن بلاک اور کمیونسٹ بلاک کی وہ عالمگیر کشمکش ہے جس نے دنیا بھر کو پھر ایک جنگِ عظیم کے خطرے میں مبتلا کر دیا ہے۔ میں بغیر کسی لاگ لپیٹ کے یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم اس کشمکش کے دونوں فریقوں میں سے کسی کو بھی حق بجانب نہیں سمجھتے۔ ہمارے نزدیک دونوں یکساں فاسد و مفسد ہیں۔ ہماری ہمدردی ان میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں ہے، اور ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اتنی طاقت عطا فرمائے کہ ہم ان دونوں بلاؤں سے بچ کر رہ سکیں۔ ہمیں ان میں سے کسی کے اندر بھی حق اور انصاف اور راستی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا کہ اس پر ہم فریفتہ ہوں۔ ہمارے نزدیک حق کا تقاضا بھی یہی ہے اور ملک کی سلامتی بھی اسی میں ہے کہ ان کی کشمکش میں ہم غیر جانبدار، بلکہ اس سے بالکل بے تعلق رہیں۔ تاہم اگر خدانخواستہ کبھی ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ ہمیں ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینی پڑی تو اُس وقت شریعت کے قاعدے کے مطابق، اُس وقت کے حالات کو دیکھتے ہوئے ہم یہ رائے قائم کریں گے کہ اِن دونوں بلاؤں میں سے کم تر درجہ کی بلا کونسی ہے۔ اس طرح کی ناگزیر صورت ابھی پیدا نہیں ہوئی ہے، اس لئے قبل از وقت اس بارے میں کسی اظہارِ رائے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ کشمیر

اس کے بعد میں ایک ایسے مسئلہ پر اظہارِ رائے کروں گا جو ہمارے لئے بیک وقت داخلی بھی ہے اور خارجی بھی، اور پھر ہماری قومی زندگی کے لئے غیر معمولی اہمیت بھی رکھتا ہے۔ یہ ہے کشمیر کا معاملہ۔

اس معاملہ میں ہمارا نقطۂ نظر نہ وطن پرستانہ ہے نہ قوم پرستانہ۔ ہم سارے معاملات کو سراسر حق پرستی کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور یہی ہمارا نقطۂ نظر کشمیر کے معاملہ میں بھی ہے۔ ہماری یہ قطعی رائے ہے کہ کشمیر پر قبضہ کرنے میں ہندوستان نے سراسر زیادتی کی ہے اور اس کے مقابلے

میں پاکستان کا دعویٰ بالکل حق بجانب ہے۔ سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ ہندوستان نے کشمیر پر قبضہ اس وجہ سے نہیں کیا کہ وہ اس کا حق تھا بلکہ صرف اس وجہ سے کیا کہ تقسیم کے وقت پاکستان کمزور تھا اور ہندوستان اتنی طاقت رکھتا تھا کہ اپنے حق سے زائد ایک چیز حاصل کر لے ــــ میں اس وقت اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ ہماری کمزوریوں کے ساتھ ہماری کوتاہیاں کیا تھیں۔ بہرحال یہ واقعہ اپنی جگہ بالکل عیاں ہے کہ اگر پاکستان نے اُس وقت کشمیر پر قبضہ کر لیا ہوتا تو کوئی معقول آدمی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ ہندوستان بھی اسی طرح کشمیر کا دعویٰ لے کر اٹھتا جس طرح آج پاکستان اٹھا ہے اور وہ بھی پاکستان کی طرح یہ چیلنج کرتا کہ آؤ، کشمیر میں استصواب رائے عام کرا کے دیکھ لو۔ وہ خود جانتا ہے کہ ہندوستان و پاکستان کی تقسیم محض مذہب کی بنیاد پر ہوئی تھی۔ وہ خود جانتا ہے کہ وہی علاقے پاکستان بنائے گئے جہاں مسلمان اکثریت میں تھے اور وہی علاقے ہندوستان میں شامل کیے گئے جن میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ وہ خود جانتا ہے کہ تقسیم سے پہلے اور تقسیم کے دوران میں جو کشت وخون ہوا، جو قتل عام ہوا، جو لوٹ مار ہوئی، وہ سراسر اس بنیاد پر ہوئی کہ ہندوؤں اور سکھوں کے نزدیک ہر مسلمان کشتنی تھا اور مسلمانوں کے نزدیک ہر ہندو اور سکھ گردن زدنی تھا۔ ان ساری باتوں کو جانتے ہوئے کون یہ مان سکتا ہے کہ کشمیر جیسے مسلم اکثریت کے علاقے کو ہندوستان واقعی ایمانداری کے ساتھ اپنا حق سمجھتا تھا، اور اگر پاکستان اُس پر قابض ہو گیا ہوتا تو وہ بھی یہ دعویٰ کرنے کی جرأت کر سکتا تھا کہ استصواب رائے کرا کر دیکھ لیا جائے، کشمیر کے باشندے ہندوستان سے الحاق کے حق میں رائے دیں گے۔ پس یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جسے ایک ہٹ دھرم آدمی کے سوا کوئی جھٹلا نہیں سکتا کہ کشمیر پر ہندوستان کا قبضہ حق کی بنیاد پر نہیں ہوا بلکہ سراسر طاقت کی دھاندلی سے ہوا ہے۔ اور اس معاملہ کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہندوستان نے یہ صریح بے شرمانہ دھاندلی اُس زمانہ میں کی جبکہ گاندھی جیسا اخلاق کا علمبردار وہاں موجود تھا، اور اُس شخص کے ہاتھوں کی جو انگریزوں کی غلامی کے دور میں سیاست کو طاقت کے بجائے

اخلاق پر قائم کرنے کا سب سے زیادہ بلند بانگ مدعی بنا ہوا تھا، یعنی پنڈت جواہر لال نہرو۔

کشمیر اور جوناگڑھ کے معاملہ میں ہندوستان نے بیک وقت جو دو مختلف پالیسیاں اختیار کی ہیں، پنڈت نہرو کے سوا اور کون آدمی ایسا ہوگا جو عقل رکھتے ہوئے ان دونوں پالیسیوں کو متضاد ماننے سے انکار کر سکے؟ ایک جگہ آپ اس بنیاد پر قبضہ کرتے ہیں کہ وہاں کا حکمراں چاہے مسلمان ہو مگر آبادی کی اکثریت ہندو ہے۔ دوسری جگہ آپ اس بنیاد پر قبضہ کر لیتے ہیں کہ وہاں کی آبادی کی اکثریت چاہے مسلمان ہو مگر حکمراں ہندو ہے۔ ایک جگہ کا حکمراں پاکستان سے الحاق کا اعلان کرتا ہے تو آپ اسے اس لیے ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ حکمراں نے الحاق کا فیصلہ باشندوں کی رضامندی حاصل کیے بغیر کر دیا ہے۔ دوسری جگہ کا حکمراں ٹھیک اسی طرح باشندوں کی رضامندی حاصل کیے بغیر ہندوستان سے الحاق کا اعلان کرتا ہے تو آپ اسے فوراً قبول کر لیتے ہیں اور اس الحاق کی دستاویز کو ایک برابر آئینی دستاویز سمجھ کر دانتوں سے پکڑ لیتے ہیں۔ ایک جگہ آپ کے نزدیک اپنے علاقے کی قسمت کا فیصلہ کرنا باشندوں کا کام ہے اور حکمراں کا فیصلہ بالکل بے معنی ہے، کیونکہ وہاں کے باشندوں کی اکثریت ہندو اور حکمراں مسلمان ہے۔ دوسری جگہ اس کے بالکل برعکس حکمراں کا فیصلہ آپ کے نزدیک بامعنی اور سو فی صدی قانونی ہے اور اس کو تسلیم کرنے کے لیے باشندوں کی مرضی معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ وہاں حکمراں ہندو ہے اور باشندوں کی اکثریت مسلمان۔ کیا یہ کھلا ہوا تضاد نہیں ہے؟ یہ حرکتیں ایک ایسے سیاسی لیڈر کے سوا اور کون کر سکتا ہے جو حق اور انصاف اور راستی کے بجائے قوت اور زور کی بنا پر اپنی پالیسی بناتا ہو اور بالکل ایک ابن الوقت (Opportunist) کی طرح ہر موقع کے لیے ایک نیا اصول گھڑ لیتا ہو؟ واقعہ یہ ہے کہ پنڈت نہرو نے اپنے اس طرزِ عمل سے اپنی اُس ساری عزت و وقعت کو خاک میں ملا دیا ہے جو انہوں نے عمر بھر سیاست میں اخلاق کی علمبرداری کر کے حاصل کی تھی۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں یہ بھی ظاہر کر دوں کہ ہماری نگاہ میں کشمیر